اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا پیغام موت سے بے خوف کرتا ہے۔عائلی زندگی میں اسوۂ رسول ﷺ اپنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰/اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد،تعوذ اورسورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

عید کے خطبہ پر میں نے اپنی اہلیہ کی وفات کے حوالے سے جماعت کے مردوں کو پُر درد اور پُر زور نصیحت کی تھی کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کیا کریں اوران کے اہل وعیال کو،ان کے والداؤں کواوران کی بہنوں وغیرہ کو بھی اس نصیحت میں شامل کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ بعض اوقات بے بس اور کمزورعورتیں اپنے سسرال کی طرف سے طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنتی ہیں اور کچھ کر نہیں سکتیں۔ان کی مظلومیت میں بے اختیاری کی حالت ایک ایسی دردناک کیفیت ہے جو یقیناً ظالموں کو عذاب میں مبتلا کرسکتی ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اُن دعاؤں کے ذکر میں جو بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں مظلوم کی دعا کو بہت اہمیت دی ہے کہ یہ دعا ایسی ہے جو رد نہیں کی جاتی تو اس وجہ سے جو نصیحت کی گئی وہ مردوں یا اُن کے خاندان والوں کے خلاف بات نہیں تھی کسی غصے یا بغض کے نتیجہ میں نہیں تھی نہ اس کا کوئی موقع تھا نہ اس کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے بلکہ از راہ ہمدردی میں نے ایسا کہا لیکن عید کی ملاقات کے دوران ایک صاحب ایسے ملے جو اس پر بہت ہی خفا اور ناراض تھے اور مجھ سے شکوہ کیا کہ آپ بعض دفعہ ایک ہی طرف کی باتیں کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کا خیال ہی نہیں کرتے کیا عورتیں ظالم نہیں ہوسکتیں۔ بڑی

بڑی ظالم عورتیں بھی ہوتی ہیں۔

اس بات پر میں نے اُن کو سمجھایا کہ ابھی میں مستورات کی طرف سے ہو کر آیا ہوں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اُن کو بھی نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے حقوق ادا کریں لیکن یہ موقع ایسا تھا جس سے میں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اگر کسی ایک غم کے نتیجہ میں کثرت سے خوشیاں پھیل جائیں تو یہ تو بہت اچھا سودا ہے اس میں شکوے یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ میں اس بات سے خوب باخبر ہوں کہ عورتیں بھی ظالم ہوتی ہیں، ہوسکتی ہیں، عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو گھروں کو برباد کرنے کا موجب بن جاتی ہیں، عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جن کی طبیعت میں فساد پایا جاتا ہے اور نشوز پایا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مرد جو بعد ازاں بڑے ہو کر عورتوں پر ظلم کا موجب بنتے ہیں وہ ایسی ہی ماؤں کی گود میں پلتے ہیں جو ظالم صفت ہوتی ہیں اور اُن کے اندر خاص طور پر ایک یہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی بچیوں کے مقابل پر اپنے بیٹوں کو خدا بناتی ہیں اور اُن کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہے اور اُن کی ہر جائز ناجائز بات کو برداشت کیا جاتا ہے۔ ان کی اپنی بہنیں ان کے سامنے گھر میں لونڈیوں کی سی حیثیت رکھتی ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے بھائی کے خلاف کوئی شکایت بھی کرسکیں۔ چنانچہ ایسے گھر بھی ہیں جہاں عورتیں واقعۃً مردوں کی عملاً پرستش کرتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی معاشرتی خرابیاں ہیں جو عورتوں سے جنم لیتی ہیں اولاد میں پنپتی ہیں اور اولاد جب بڑی ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ وہ برائیاں بھی نشو ونما پاتی ہیں اور معاشرہ گندہ ہو جاتا ہے لیکن یہ بات اُن کے ذہن میں نہیں آئی کہ ان سب نصیحتوں کا وہ موقع نہیں تھا۔

ایک عورت کی موت کے حوالے سے اگر عورتوں کو نصیحت کی جاتی کہ تم ظلم نہ کرو تو بہت ہی بدزیب اور بیہودہ سی بات ہوتی، مزاج سے گری ہوئی ایک بات تھی اور اس کا پیغام دنیا کو یہ ملتا کہ گویا میں اپنی بیوی کے مظالم کی شکایت کررہا ہوں۔ براہ راست اس کو کچھ نہیں کہتا لیکن اس نصیحت کے بہانے اس کو کوس رہا ہوں کہ تم مجھ پر یہ ظلم کر کے گئی ہو تو موقع اور محل کی مناسبت سے بات ہونی چاہئے۔ یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ میں دوسری طرف کی کمزوریوں سے ناواقف ہوں۔ ایک پہلو تو یہ تھا جو وضاحت کے طور پر بیان کرنے کے لائق تھا لیکن اس ضمن میں اور بھی کچھ باتیں ہیں جو میں

آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔

ظلم کے مختلف معیار ہیں اور اس کا انسان کے احساس کے معیار سے بہت گہرا تعلق ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو انسان اپنے مزاج کے مطابق کرتا ہے اور اُن کو ظلم نہیں سمجھتا اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کو انسان بعض دفعہ عام اخلاق سے گرا ہُوا نہیں دیکھتا لیکن خدا کے نزدیک یا ان لوگوں کے نزدیک جن کے اخلاق بلند ہوں وہ باتیں اخلاق سے گری ہوئی ہوتی ہیں۔ تو مختلف انسانی معیار ہیں جن کے ساتھ انسان کی نظر نئے پیمانے تراشتی رہتی ہے اور ان پیمانوں میں نئی صورتیں دیکھتی رہتی ہے۔ پس اپنے سلوک کو جو غیر کے ساتھ کیا جاتا ہے دیکھنے کے بھی مختلف پیمانے ہیں جو نظر کی لطافت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نظر میں لطافت ایسی تھی اور آپؐ کے اخلاق کا مرتبہ اور مقام اتنا بلند تھا کہ وہ باتیں جو آپؐ اپنے لحاظ سے کمزوریاں سمجھتے تھے اور کثرت سے ان پر استغفار فرمایا کرتے تھے۔ ایک ولی اللہ کی نظر میں وہ نیکیاں شمار ہوسکتی تھیں اور ان اعمال پر اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ کوئی مغفرت طلب کرنے یعنی استغفار کا مقام ہے۔

پس میری مراد یہ تھی اور یہ ہے کہ جماعت کے اخلاق کے معیار بلند کروں اور اُن کی طبیعتوں میں لطافت اور نظافت پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ اس کے نتیجہ میں وہ خود اپنے اعمال کے بہترین نگران بن سکتے ہیں اگر ذوق کا معیار بلند نہ کیا جائے تو اخلاق کا معیار بلند نہیں ہوسکتا اور بسا اوقات انسان خود اپنے سے اندھیرے میں رہتا ہے۔ پردے اُٹھنے کا محاورہ آپ نے جو صوفیا کی زبان سے سنا ہوا ہے۔ یہ ایک حقیقی بات ہے یہ محض صوفیانہ خیالات کی نازک خیالی نہیں ہے بلکہ بہت گہرے تجربہ کے نتیجہ میں بعض صوفیا نے تمثیل کے طور پر یہ بات پیش کی ہے کہ انسان پردوں میں رہتا ہے اور جب اس کے پردے اُٹھتے ہیں تو پھر وہ عارف باللہ بننا شروع ہوتا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے پہلے اپنے نفس سے پردے اٹھا کر اپنے وجود کو دیکھنا شروع کریں تب آپ اس بات کے اہل ہوں گے کہ آپ دنیا کے ساتھ حسن سلوک کرسکیں جو لوگ پردوں میں رہتے ہیں وہ ہمیشہ مظلوم رہتے ہیں۔

چنانچہ مَیں نے بعض اوقات ایسے میاں بیوی کے جھگڑے سنے ہیں جو بدنصیبی سے دونوں ہی پردوں میں تھے۔ ساری عمر میاں اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا رہا اور ساری عمر بیوی اپنے آپ کو مظلوم سمجھتی رہی اور کسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ اپنی ذات سے بالا ہو کر انسان اپنے نفس پر اندھیروں کے جو پردے چڑھاتا

چلا جاتا ہے اور پھر آخر ان میں ڈوب جاتا ہے۔ان پردوں سے باہر آکر وہ حقائق کا مشاہدہ کرے اور اس کے کئی طریق ہیں ۔وہ ذات جو انسان کے لئے ظلمات پیدا کرتی ہے ۔ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو وہی ذات انسان کی ظلمت دور کرنے کا موجب بھی بن جاتی ہے۔حقیقت میں آخری طاقت انانیت ہی ہے ۔اپنے نفس کے ساتھ پیار ہی ہے جو منفی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے اور مثبت چیزیں بھی پیدا کرتا ہے۔مثلاً ایسے خاوند جن کا میں نے ذکر کیا جن کے ساتھ مائیں اور دوسرے عزیز بھی شامل ہوتے ہیں ۔ایک نہتی بے بس عورت ان کے گھر میں ہے اس کو طعنوں کا نشانہ بناتے ہیں ،طرح طرح کی بدسلوکیاں کرتے ہیں اور وہ بے اختیار اور بے بس گھلتی چلی جاتی ہے۔اُن کو کبھی اس بات کا خیال آ ہی نہیں سکتا کہ وہ زیادتی کر رہے ہیں کیونکہ وہ بعض ایسی کمزوریاں دیکھتے ہیں جو اس عورت میں موجود ہوتی ہیں اور پھر فرضی طور پر ان کمزوریوں کو بڑھایا بھی جاتا ہے۔معمولی سے نقص بھی ان کو بڑے بڑے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں جب تشدد کرتے ہیں اور سختی کرتے ہیں تو ان کو پتا نہیں لگتا کہ کتنا دکھ ہو رہا ہے۔اس بات کو سمجھنے کے لئے وہ اپنی ذات کے حوالے سے ایک اور رنگ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ان کی بہنیں ہیں ان کی مائیں ہیں ان کے اور عزیز ہیں جن سے ان کو گہرا پیار ہے وہ اگر یہ سوچیں کہ ان کے ساتھ اگر ایسے سلوک ہوں جب یہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا۔ایسی صورت میں ان کی غیرت بہت بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جان دینے اور جان لینے پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اگر وہ اپنی عزت کے حوالے سے مزید غور کریں تو وہ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ کس بے باکی کے ساتھ وہ ایسے کاموں پر آمادہ ہوتے تھے جو اگر ان سے کیا جائے تو وہ اپنی جان دینے اور دوسرے کی جان لینے پر تیار ہوں۔تو نفس کا حوالہ دو طرح سے ہو سکتا ہے نفس کا ایک حوالہ وہ ہے جس میں ظالم اپنے اندرونے سے بے خبر دوسرے کے نقائص ڈھونڈتا چلا جاتا ہے اور اپنے بدلے دوسرے سے لیتا چلا جاتا ہے۔ایک حوالہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو انسان ظالم سمجھے یا ان لوگوں کے خلاف ظلم کا تصور باندھے جو اس کو پیارے ہوں اور پھر دیکھے کہ کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا نہیں ہو رہا اس طرح انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ کچھ نظر آنے لگتا ہے جو پہلے نظر نہیں آ سکتا۔

دوسرے زندگی کے سفر میں سب سے زیادہ لطافت پیدا کرنے والی چیز تقویٰ ہے اگر انسان

تقویٰ اختیار کرے اور خدا کی طرف اُس کے پیار کو حاصل کرنے کا سفر شروع کر دے تو اس سفر کے آداب کا نام تقویٰ ہے۔ مُراد یہ ہے کہ انسان ایک پیارے کا دل جیتنا چاہتا ہے اور ہر وقت اس بات پر نگران رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس سے یہ مجھ سے ناراض ہو جائے جو اس کو بری لگے۔ یہ خوف ہی دراصل تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا مطلب بعض چیزوں سے بچنا ہے اور عرف عام میں اس کا ترجمہ خدا کا خوف کیا جاتا ہے۔ خوف کن معنوں میں؟ اس بارہ میں پہلے بھی مَیں روشنی ڈال چکا ہوں آج میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ غالبًا پہلے بھی کہہ چکا ہوں گا لیکن دوبارہ اس بات پر اصرار کرنا چاہتا ہوں کہ تقویٰ سے مُراد یہ خوف ہے کہ مَیں ان باتوں سے بچوں جن باتوں سے مجھے اپنے محبوب کی ناراضگی دیکھنی پڑے اور وہ مجھ سے خفا ہو جائے۔ یہ ایک منفی طاقت ہے جو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے۔ تقویٰ بظاہر ایک منفی طاقت ہے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور بچنے سے مراد جیسا کہ آپ سفر پر جا رہے ہوں تو ٹھوکروں سے بچنا، راہزنوں سے بچنا، کئی قسم کے اتفاقی حادثات اور نقصانات سے بچنا۔ یہ سارے بچنے کے مفہوم اس میں داخل ہیں جو منفی پہلو رکھتے ہیں لیکن ان کا جو مثبت نتیجہ ہے وہ جان، مال، عزت اور خوشیوں کی حفاظت ہے اسی لئے قرآن کریم نے خوشیوں کے موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا۔ شادی بیاہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ جن آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ان تین آیات میں پانچ مرتبہ تقویٰ کا ذکر ہے خوشی کا موقع اور خوف کی باتیں مراد یہ ہے کہ یہ خوف تمہاری خوشیوں کی حفاظت کرے گا اور تمہیں کئی قسم کے عذابوں سے پناہ میں رکھے گا۔ چلتے چلتے آپ کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ خدانخواستہ گر جاتے ہیں کوئی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے بعض دفعہ ایسے بھی نقصان ہو جاتے ہیں کہ انسان عمر بھر چلنے سے محروم رہ جاتا ہے ایک چھوٹی سی غفلت کے نتیجہ میں ساری زندگی کا عذاب ہے تقویٰ کا سفر بھی اسی قسم کا سفر ہے۔ اس کو معمولی بات نہ سمجھیں تقویٰ کے فقدان کے نتیجہ میں بعض دفعہ انسان ایسی ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے جو اس کے لئے ہمیشہ کے لئے روحانی عذاب کا موجب بن جاتی ہے۔

پس اس پہلو سے میں مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں مردوں کے متعلق اس لئے بات کو خصوصیت سے بار بار دُہراتا ہوں کہ مرد اگر مظلوم ہو تو اس کے لئے نجات کے رستے نسبتاً زیادہ ہیں اور آسان ہیں مرد باہر کی دنیا میں ایک آزاد زندگی بسر کر سکتا ہے۔

مرد عموماً طاقت ور ہوتا ہے اس لئے اس پر جسمانی دباؤ اور جبر بھی نہیں ہوسکتا۔ مرد کو اختیار ہے جب چاہے گھر چھوڑ کر باہر نکل جائے اور ناراضگی کا اظہار کرنا چاہے تو دو دو تین تین راتیں پھر نہ آئے۔ مرد کے اوپر عورت بالعموم ہاتھ نہیں اٹھاتی۔ اگر اٹھاتی ہے تو پھر اسے زیادہ نقصان پہنچتا ہے تو مرد کو بعض طبعی فوقیتیں حاصل ہیں اس کے نتیجہ میں مَیں خصوصیت سے مردوں کو نصیحت کرتا ہوں کیونکہ جس کو طبعی فوقیتیں حاصل ہوں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) مرد عورتوں سے زیادہ قوی اور اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ انہیں صراط مستقیم پر رکھ سکیں۔ پس اس پہلو سے مردوں کو اپنے متعلق جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ میں اپنی طاقت اور فوقیت کا ناجائز استعمال تو نہیں کر رہا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ نے مرد کو جو قوام کی صفت عطا کی ہے وہ رحم دلی کے نام پر اپنی قوامیت کو قربان کر دے۔ مَیں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بات بھی آپ کو سمجھاؤں۔ بیویوں سے حسن سلوک، عورتوں سے نرمی اور خوش خلقی، ان کے ظلم کو حوصلے کے ساتھ برداشت کرنا اور ان سے عفو کا سلوک کرنا اور رحم کا سلوک کرنا یہ ساری خوبیاں ہیں، یہ مرد کے زیور ہیں جو اُسے خدا کی نظر میں اور زیادہ دیدہ زیب بنا دیتے ہیں لیکن نرمی کے نام پر، پیار اور محبت کے نام پر اصولوں کے سودے کر لینا اور اپنی قوامیت کو قربان کر دینا یہ حسنِ خلق نہیں ہے بلکہ سوءُ الخلق ہے بدخلقی کا نام ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاں یہ چیز قابل قبول نہیں ہے چنانچہ ایسے مرد جو اپنی عورتوں کو بے راہ روی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور نرمی کے نام پر، حسنِ سلوک کے نام پر ان سے صرف نظر کرتے ہیں یا دوسروں پر زیادتی کرتے دیکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت ہے، کوئی حرج نہیں کہ ہم اس سے نرمی کا سلوک کریں اور یہ بے شک کسی کے متعلق زبان درازی کرتی رہے ہم حوصلے سے اسے برداشت کریں۔ وہ مرد یقیناً غلطی پر ہیں حُسن سلوک یہ نہیں ہے۔ کسی کو کسی کے خلاف چغلی کرتے دیکھتے ہیں اور مزے کے ساتھ بیٹھ کر اس کی بات سنتے ہیں اور اس کو ٹوکتے نہیں اور اسے سمجھاتے نہیں اس کا نام حسن خلق نہیں ہے اور بظاہر نرمی پھر ظلم بن جاتی ہے۔ پس جب میں ظلم کی بات کرتا ہوں تو اسلام کی وسیع تر اصطلاح میں ظلم کی بات کرتا ہوں۔ بعض دفعہ سختی ظلم ہے، بعض دفعہ نرمی ظلم ہے۔ چنانچہ بات کو مختصر کرنے کے لئے میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا حوالہ دیا کیونکہ وہ موقع ایسا نہیں تھا کہ بہت تفصیل سے یہ باتیں سب کو سمجھاتا میں نے کہا کہ آپ پر اگر زیادتی بھی ہو تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا رنگ اختیار کریں

اور آپؐ نے عورتوں کے ساتھ سلوک کے جو پاک نمونے ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑے ہیں جو ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے ان سے استفادہ کریں۔

آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ بہت سی باتوں میں اپنی بیگمات کی زیادتیاں برداشت فرماتے تھے اور ایسے مواقع بھی آئے کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگیاں چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کے مال دیتا ہوں اور رخصت کر دیتا ہوں حسن سلوک کے ساتھ علیحدہ کروں گا کوئی سختی نہیں ہوگی لیکن میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ یہ آخری اور بہت ہی تکلیف دہ فیصلہ تھا۔ جس کے پس منظر میں کچھ باتیں ہوں گی۔ قرآن کریم نے ان کی تفصیل بیان نہیں فرمائی اس لئے ہمارا بھی کام نہیں ہے کہ ہم ان تفاصیل کو تلاش کریں ویسے بھی ادب کا مقام ہے کہ ان باتوں میں ہرگز کھوج نہ لگائیں لیکن بالعموم یہ یقین کریں کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے یقیناً کچھ دکھ محسوس فرمایا ہوگا، کوئی تکلیف پہنچی ہوگی اس دکھ کے ازالے کے لئے' اس تکلیف کو رفع فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اعلان عام کرنے کی ہدایت فرمائی اور آپؐ کو بری الذمّہ فرما دیا۔ اس کے بعد یقیناً آپ کی ازواجِ مطہرات میں کوئی غیر معمولی پاک تبدیلی پیدا ہوئی ہوگی کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی تنبیہہ نظر نہیں آتی اور پھر کوئی ایسا واقعہ دکھائی نہیں دیتا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کسی بیگم سے شکوہ کے نتیجہ میں اس کو علیحدہ فرمایا ہو۔ یہ تو بالعموم حضور اکرم ﷺ کا اسوہ ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ آپؐ کو بھی کچھ نہ کچھ تکلیفیں ضرور پہنچیں لیکن آپؐ نے وسیع حوصلگی کا اظہار فرمایا اور بہت بڑے کھلے دل کے ساتھ ان چیزوں سے صرف نظر فرماتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خود نصیحت فرمائی کہ اس صورت حال میں آخری علاج علیحدگی ہے۔

احباب جماعت کو اس مضمون کو بھی خوب ذہن نشین رکھنا چاہئے بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں اصلاح کی کوشش نرمی سے ہی جاری رہنی چاہئے اور جہاں تک نصیحت کا تعلق ہے نصیحت سے کام لینا چاہئے لیکن اگر پانی سر سے گزرتا دیکھیں تو اسی قرآنی ہدایت کے پیش نظر اپنی بیویوں کے سامنے بات کھول دینی چاہئے کہ اس صورت حال میں ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے اور یہ بات جتنی جلدی ہو تو اتنا ہی بہتر ہے۔ بعض لوگ تقریباً ساری عمر بیویوں کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ پانچ پانچ، چھ چھ

بچے ہو گئے اور پھر اس کے بعد ڈنڈا اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو جاہلانہ بات ہے اگر وہ ظالم ہی تھی تو اتنا لمبا عرصہ تم کیا کرتے رہے ہو؟ قرآن کریم نے بڑے لطیف انداز میں یوں بیان فرمایا ہے کہ جب تم بیویوں کو علیحدہ کرتے ہو تو حسن سلوک سے کیا کرو۔ یاد کرو کہ تم ان سے استراحت کرتے رہے ہو، بے تکلف لطف اُٹھاتے رہے ہو ان باتوں کا کچھ تو پاس کرو، کچھ تو حیا کرو۔ الفاظ یہ نہیں مگر مضمون بعینہٖ یہی بیان ہوا ہے تو مردوں کو آنحضرت ﷺ کا اسوہ اختیار کرنا چاہئے اور اس اسوہ میں یہ بات داخل ہے کہ اصول کی قربانی آپؐ نے کبھی نہیں کی بے حد محبت اور بے حد عفو کا سلوک کرنے کے باوجود آپؐ نے کبھی ایک دفعہ بھی کسی اصول کی قربانی نہیں دی چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ ایک موقع پر کسی بیوی کی طرف سے کوئی تحفہ آیا جس سے ان کو تکلیف ہوئی اور آپؓ نے وہ برتن توڑ دیا آنحضرت ﷺ خود اُٹھے اور برتن اپنے ہاتھ سے جوڑا اور پھر نصیحت فرمائی کہ اس کے بدلے صحیح اچھا برتن بھجواؤ اور آپؐ کی ناراضگی آپؐ کے چہرے پر ایسی واضح لکھی گئی تھی کہ باوجود اس کے کہ کوئی سخت کلامی نہیں کی لیکن اس کا دکھ ہمیشہ کے لئے حضرت عائشہؓ کے دل پر نقش ہو گیا۔ (نسائی کتاب عشرۃ النسائی حدیث نمبر: ۳۸۹۳)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں کسی زوجہ محترمہ کا ذکر آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چھوٹی انگلی اٹھا کر فرمایا۔ وہ یعنی وہ چھوٹے سے قد والی چھنگلی کے برابر۔ غالباً وہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات تھی۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: ۴۲۳۲)

آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عائشہؓ تم نے ایک ایسی چھوٹی سی بات کی ہے کہ اسے اگر سمندر میں پھینکا جائے تو سارا سمندر متغیر ہو جائے۔ کتنا عظیم الشان کلام ہے۔ کیسی پاکیزہ نصیحت ہے اور کتنا سخت جواب اس نرمی کے اندر ہے لیکن بہت ہی ملائمت اور بہت ہی زیادہ لطف کے ساتھ آپؐ نے بات کو پیش فرمایا لیکن اگر حساس آدمی ہو تو وہ ہمیشہ اس بات کی تکلیف محسوس کرتا رہے گا کہ مجھ سے کیوں ایسی غلطی سرزد ہوئی جس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کو مجھے اس طرح نصیحت فرمانی پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد وہ خود مدتوں یہ بات اپنے متعلق بیان فرماتی رہیں کہ مجھے بھی وہ دن دیکھنا پڑا جب میں نے ایسی بات کر دی تھی تو آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا کہ دیکھو عائشہؓ! تم نے چھوٹی سی بات کی

ہے لیکن اتنی تلخ ہے کہ اگر سمندر میں ڈالا جائے تو سمندر متغیر ہو جائے یعنی اس کا رنگ بدل جائے اس کا مزا بدل جائے، اس کی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی اپنی محبت پر اصول کو قربان نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضور ﷺ کو جو پیار تھا وہ ظاہر و باہر ہے اور ہمیشہ اسلام کی تاریخ میں وہ ایک درخشندہ پیار کی مثال کے طور پر زندہ رہے گا کہ مرد کو عورت سے کیسا پیار ہونا چاہئے لیکن اس پیار کے نتیجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اصولوں کو قربان کرنے کی اجازت کبھی نہیں دی گئی اور ہمیشہ موقع پر صحیح نصیحت فرمائی اس کو قوّام کہتے ہیں یہی وہ قوّام لفظ ہے جو قرآن کریم میں مردوں کے متعلق آیا ہے۔ تو میں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ آپ قوام ہیں آپ ظلم سے باز رہیں اور مطلب یہ بھی تھا کہ ظلم سے باز رکھیں دونوں باتیں قوّام میں آتی ہیں لیکن اگر مغلوب الغضب ہو جائیں، اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر طیش میں آجائیں اور نہ صرف اپنی بیوی کو کوسنا شروع کریں بلکہ اس کے ماں باپ کو بھی چھید جائیں اور طرح طرح سے ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنادیں تو نہ یہ حسن خلق ہے، نہ یہ قوامیت ہے، نہ یہ مردانگی ہے، یہ تو گھٹیا کمینی ذلیل بات ہے۔ تو میں اگر احمدیوں کو ایسی گھٹیا، کمینی، ذلیل باتوں سے روکتا ہوں تو کسی کو اس بات میں ناراضگی کی ضرورت نہیں۔ احمدیوں سے اپنی محبت کے نتیجہ میں ایسا کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم میں بہت سی کمزوریاں ہیں اور میرے فرائض میں داخل ہے کہ ان کمزوریوں کو دور کروں۔ میری تمنّا ہے کہ ہمارا ہر گھر جنت نشاں ہو جائے۔

پس اس طبعی تمنا کے نتیجہ میں جب نصیحت کرتا ہوں تو بعض دفعہ اس میں سخت الفاظ بھی آجاتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ کسی تلخی کے نتیجہ میں بات نہیں ہوتی۔ مثلاً میرا یہ کہنا کہ ایسی صورت میں میں تمہیں **عذاب الیم** میں خوشخبری دیتا ہوں قرآن کریم نے بعض عذابوں سے متنبہ کرنے کے لئے یہی خوشخبری کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ تمہیں ہم عذاب کی خوشخبری دیتے ہیں اور یہ خوشخبری ایسی صورت میں دی جاتی ہے جب انسان ایسی حالت میں جان دے کہ وہ ظالم ہو اور بخشش طلب کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ پس مراد یہ ہے کہ **نعوذ باللہ من ذٰلک** سارے مرد ہی ظالم ہیں مراد یہ تھی کہ موت سے پہلے پہلے اپنے اندر ایسی پاک تبدیلی پیدا کرلو کہ تمہیں قرآن کے الفاظ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تنبیہہ **عذاب الیم** کی خوشخبری نہ دے رہی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ

اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بھی اللہ ہی کی پناہ مانگی جاتی ہے اللہ ہی کی پناہ میں آنا چاہئے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ اس بات کو سمجھ کر ہمارے مرد اور عورتیں اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں گے۔

دوسرے اس موقع پر نصیحت کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ **بری چیز اگر ہو جائے تو اس سے اچھی بات نکالی جائے** اور یہ اسلوب میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے ہی سیکھا ہے۔ موت سے زندگی طلب کرنے کی خواہش ایک ایسا رجحان ہے جو قوموں کو ترقی کی راہ میں بہت آگے بڑھا دیتا ہے۔ ہر تکلیف کو اچھی حالت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنا یہ ایک ایسی بات ہے جو طبعی رجحان سے تعلق رکھتی ہے ورنہ بعض لوگ ایک موت کے نتیجہ میں مرجاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے ہیں بعض لوگ موت سے زندگی پاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ زندگی کی راہوں پر قدم مارنے لگتے ہیں تو یہ وجہ تھی جو میں نے اس موقع پر خصوصیت سے نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا کہ ایک عورت کی وفات کے نتیجہ میں جو غم پہنچتا ہے وہ سینکڑوں زندہ عورتوں کی خوشیوں میں کیوں نہ تبدیل کر دیا جائے۔ کیوں نہ اس سے ایسا فائدہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں ہر گھر میں خوشیوں کی لہریں دوڑیں اور اس کا طبعی فیض اس مرنے والی کو بھی پہنچتا رہے گا جو اس پاک نصیحت کا بہانہ بن گئی جس سے گھروں میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ اس نیک نیت اور نیک تمنا کے ساتھ میں نے وہ نصیحت کی تھی اس میں ہرگز کوئی یکطرفہ ظلم نہیں تھا جس کے نتیجہ میں کسی مرد کے لئے کوئی ناراضگی کی وجہ ہو۔

اس ضمن میں میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷) سے متعلق بھی آپ کو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دوست تعزیت کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ مرد بھی خواتین بھی دور دور سے بڑی محبت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور خطوط بھی کثرت کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ میں نے امیر صاحب (یو۔کے) سے گزارش کی تھی کہ میرا دل بخوبی واقف ہے میں سب احمدیوں کے متعلق جنہوں نے مجھے بتایا ہے ان کے متعلق بھی اور جنہوں نے نہیں بتایا ان کے متعلق بھی خوب احساس رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری احمدیوں کے حال پر جس حد تک نظر ہے میں ان کے جذبات اور ان کی کیفیت سے واقف ہوں اور دل کی گہرائی سے ان کا احترام بھی کرتا ہوں لیکن اگر مسلسل اس طرح باقاعدہ جماعت کے بعد جماعت نے آنا شروع کیا تو اس میں کچھ قباحتیں بھی ہیں

اس لئے آپ نرمی اور محبت اور پیار سے ان کو سمجھائیں کہ ناقدری کی وجہ سے میں ان کو نہیں روکتا بلکہ بعض قباحتیں ہیں جو میرے پیش نظر ہیں اس کی وجہ سے روکتا ہوں۔

ایک تو یہ کچھ دن کے بعد غم اپنی شدت کے مقام سے اترنا شروع ہو جاتا ہے جس طرح پارہ گرمی سے چڑھتا بھی ہے اور سردی سے اترتا بھی ہے غم کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے جب اترنا شروع ہو جاتا ہے پھر ایک ایسے مقام پر آجاتا ہے کہ اس غم کی ہمدردی کے لئے پھر ایک طبعی جذبہ زبردستی انسان کو مجبور نہیں کر رہا ہوتا بلکہ ارادے اور کوشش سے سوچ کر بعض باتیں کرنی پڑتی ہیں جب وفات کی خبر تازہ تھی یا کچھ دن تک تازہ رہتی ہے تو اس وقت بے اختیاری سے از خود لوگ چلے آتے ہیں ان کو روکنا جائز نہیں لیکن جب غم اس مقام سے اتر چکا ہو اور پھر یہ سوچ کر کہ ہمیں بھی جانا چاہئے فلاں گیا ہے اور فلاں گیا ہے ہم کیوں نہ جائیں۔ جب ایک منظّم طریق پر تحریک کے نتیجہ میں لوگوں کے وفود تیار کئے جائیں تو اس میں کچھ تصنّع پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگ بھی بیچ میں شامل ہو سکتے ہیں جن کو تکلیف ہو جو مالی لحاظ سے دقت محسوس کر رہے ہوں یا مصروف الاوقات ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہوں کہ کسی اور کام کو قربان کر کے آئیں تو ان کے دل پر بوجھ پڑتا ہے اور بعض لوگ یہ بھی بیان نہیں کر سکتے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کہا کہ نہیں تو جس نے ہمیں نصیحت کی ہے یا توجہ دلائی ہے وہ یہ سمجھے گا کہ اس کو شاید کم محبت ہے، اس کو کم تعلق ہے۔ ایسے نیک کام کے لئے کہا اور اس نے آگے سے جواب دے دیا تو بہت سے لوگ بے وجہ ابتلاؤں میں پڑ جاتے ہیں اور تصنع اور تکلفات کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر میرا وقت بھی مجبوراً ایسے کام پر صرف ہوتا ہے جس کی میں ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ غم کا جو ابتدائی ریلا تھا۔ اس میں ساری جماعت مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک شریک تھی اور اس کا اظہار ہو یا نہ ہو جس طرح ساری دنیا میں بے ساختہ دعائیں ہو رہی تھیں ان دعاؤں کا علم بھی اس بات کے لئے کافی ہے کہ جماعت کو اس وفات کے نتیجہ میں غیر معمولی صدمہ پہنچا ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں ایسا صدمہ کہ میں نہیں جانتا کہ ان کو مجھ سے تعزیت کرنی چاہئے یا مجھے ان سے تعزیت کرنی چاہئے تو جب ان سب کیفیات پر میری نگاہ ہے تو پھر کیوں رسمی طور پر ہم ان باتوں کو لمبا کر دیں اور اتنا کھینچیں کہ اس کے نتیجہ میں تکلفات پیدا ہوں اور ابتدائی جذبات کی پاکیزگی پر کچھ میل آجائے اس لحاظ سے میں نے امیر صاحب (یو۔ کے) سے

گزارش کی تھی کہ آپ میری طرف سے جماعتوں کو پیغام دے دیں کہ کبھی عام ملاقاتوں کے درمیان یا ویسے اگر ضرورت سمجھیں تو ذکر کر دیں مگر اس کی بھی ضرورت نہیں ہے اس سے بعض اوقات بجائے فائدے کے تکلیف پہنچتی ہے اور طبیعت میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لئے حتی المقدور اب اس معاملے کو رفتہ رفتہ ختم کرنا چاہئے۔

ساتھ ہی آنے والوں کو نصیحت کرتا رہا ہوں جس میں اب میں ساری جماعت کو شامل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اب اس کے بعد میں امید رکھتا ہوں کہ رسمی طور پر وفود کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ وہ نصیحت یہ ہے، یہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کے پیغام کو سمجھنا چاہئے۔

ہمیں یہ نصیحت ہے کہ جب کسی جان کا یا مال کا نقصان ہو تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھیں۔ اس کا پیغام بالعموم لوگ سمجھتے نہیں اور بالعموم رجحان یہ ہوتا ہے کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ اس چیز پر پڑھا جا رہا ہے جو چیز ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا نکل گئی حالانکہ یہ اِنَّا لِلّٰہِ اپنے اوپر پڑھا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انـہ للّٰہ و انہ الیہ راجعون۔ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکلی ہے وہ اللہ کی تھی وہ اللہ کی طرف لوٹنی ہی تھی پھر کیا غم ہے فرماتا ہے یہ پڑھا کرو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ ہم اللہ کے ہیں اور لازماً اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ پس ہر موت انسان کو زندگی کا پیغام دے رہی ہوتی ہے کوئی نقصان کا پیغام نہیں دے رہی ہوتی ہے اگر آپ اِنَّا لِلّٰہِ کے پیغام کو سمجھ جائیں تو دراصل یہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ مرنے والے پر نہیں بلکہ زندہ رہنے والے پر پڑھا جا رہا ہے۔ وہ خود اپنے اوپر پڑھ رہا ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ تو چلا گیا جس نے جانا تھا اس نے خدا کی تقدیر کے سامنے سرخم کر دیا لیکن میں نے بھی جانا ہے اس کی تیاری کے وقت ختم ہو چکے ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن میرے لئے ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ پس وہ انجام جس کو آپ اپنی آنکھوں کے سامنے غیب کی صورت میں دیکھ رہے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ آپ کو یہ متوجہ کرتا ہے یہ تمہارا بھی انجام ہوگا ایک دن تم بھی اس طرح جان دے رہے ہوگے یا دے چکے ہوگے اور لوگ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھ رہے ہوگے اور ان بچاروں کو غفلت کی حالت میں پتا نہیں ہوگا کہ یہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ اس

پر تو نہیں بلکہ ہمیں اپنے اوپر پڑھنا چاہئے پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا پیغام یہ ہے کہ اے خدا! ہم سمجھ گئے ہم نے اس حقیقت کو پالیا کہ ہم تیرے ہی ہیں تجھ ہی سے وجود میں آئے تھے لِلّٰہِ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ تیرے ہیں بلکہ یہ ہے کہ تجھ سے ہی پیدا ہوئے ، تیری ہی ذات حقیقی اور دائمی ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں جو کچھ وجود میں آتا ہے وہ تجھ سے وجود میں آتا ہے اور جو خالق ہے وہی مالک بھی ہوا کرتا ہے۔ پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں یہ ساری باتیں شامل ہیں کہ اے خدا! ہم اس لئے تیرے ہیں کہ تیرے ہی سے وجود میں آئے تو نے عدم سے ہمیں وجود کی خلعت بخشی اور ہمارا تجھ سے جدائی کا سفر ایک دن ختم ہو جائے گا اور پھر لوٹ کر تیری ہی طرف واپس آئیں گے۔ تجھ سے الگ رہ کر جو ہماری زندگی کا عرصہ گزرا اس عرصہ میں ہم نے جو کچھ پایا کیا اس کا جواب ہم نے تجھے دینا ہے اور کس کیفیت میں یہ جدائی کا عرصہ گزرا اس کیفیت کی طرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ آپ کو متوجہ کر رہا ہے اور آپ کو خبردار کر رہا ہے۔ کیا خدا کے ہوتے ہوئے اور خدا کا رہتے ہوئے آپ نے خدا سے علیحدگی کا یہ وقت گزارا یا غیروں کا بن کر یہ وقت گزارتے رہے اگر اس عرصہ میں غیر کے ہو گئے تو پھر کس منہ سے خدا کی طرف واپس جائیں گے۔

یہ پیغام ہے جس کو ہر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھنے والے کو سمجھنا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں اپنے اندر کچھ پاک تبدیلیاں کرنی چاہئیں۔ سب سے پہلے تو یہ شعور بیدار ہونا چاہئے کہ ہم اس دنیا میں جس کے مرضی ہو چکے ہوں حقیقت میں ہم خدا کے ہیں وہی مالک ہے۔ نہ ہم اپنی بیوی کے، نہ اپنی بہن کے، نہ ماں کے نہ باپ کے نہ بچوں کے جس کے ہیں اسی کی طرف جائیں گے اور جب وہ بلائے گا ہمیں اختیار نہیں ہے کہ نہ کر سکیں تو ہم جب دوسروں کے بنتے ہیں تو کیا دوسروں کے بنتے ہوئے خدا کو چھوڑ تو نہیں دیتے ؟ کیا خدا سے تعلق قطع کر کے غیروں کے تو نہیں بن رہے؟ اگر ایسی حالت میں غیروں کے بن رہے ہیں تو جب آپ خدا کی طرف جائیں گے تو غیر بن جائیں گے غیر ہو کر جائیں گے اور اس صورت میں آپ خدا کے سامنے جواب دہ بھی ہوں گے اور محاورے کے مطابق فی الحقیقت اسے منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔ پس ہر موت سے زندگی کا ایک پیغام ملتا ہے اور ہر موت سے ہمیں زندگی کا پیغام حاصل کرنا چاہئے۔ اگر ایک مرنے والا اپنے پیار کرنے والوں کو زندہ کر جائے تو کتنی مبارک موت ہے۔ اگر ان کے اندر زندگی کا ایک شعور بیدار کر جائے اور

ان کو یاد دلایا جائے کہ تم نے وہیں آنا ہے جہاں مَیں جارہا ہوں لیکن تیاری کر کے آنا۔ اگر مجھ سے غفلت کی حالت میں کچھ دن بسر ہو گئے تو میرے لئے بخشش کی دعا مانگنا لیکن خود اس بات کو خوب باہوش طرح ذہن نشین کر کے رکھنا کہ میں نے بھی آخر خدا کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ یہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا جو پیغام ہے یہ بہت ہی زندگی بخش ہے اور موت سے زندگی حاصل کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بکثرت اور بار بار نصیحت فرمائی ہے۔ آپ کے ملفوظات میں بھی اور کتب میں بھی عام تحریرات میں بھی یہ بات کثرت سے ملتی ہے کہ موت سے سبق سیکھو اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تم نے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ نظم کہ

اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے (درثمین صفحہ:۱۵۷)

یہی مفہوم پیش کر رہی ہے اور یہی توجہ دلا رہی ہے کہ اپنے مرنے کی تیاری رکھو۔

بعض دفعہ نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی لمبی زندگی پڑی ہوئی ہے بڑا وقت ہے۔ کچھ دیر دنیا کی عیش کر لیں بعد میں دیکھی جائے گی لیکن موت کی تو خبر ہی کوئی نہیں، اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ خدا جب چاہے جس کو چاہے بلالے اس لئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا پیغام سمجھنے کے بعد اس دعا کی طرف بھی انسان کی توجہ ہوتی ہے کہ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ (ال عمران:۱۹۴) کہ اے اللہ! ہم غفلت کی حالت میں بہت سا وقت گزار چکے اور ایسی حالتیں اور بھی ہم پر آسکتی ہیں کہ جب ہم تیرے ہوتے ہوئے غیر کے ہو جائیں لیکن ہماری یہ التجا ہے کہ ہمیں نہ بلانا جب تک کہ ہم تیرے نہ ہو چکے ہوں۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ کا یہی مطلب ہے کہ ابرار کے ساتھ شمار کرنا اور اَبرار اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کی نیکیاں ان کی کمزوریوں پر غالب آچکی ہوں۔ جب وہ مریں تو خدا کے حضور نیکوں میں شمار ہو جائیں۔ پس اپنے لئے یہ دعائیں بھی کرتے رہنا چاہئے۔

جو شخص موت سے باخبر رہے اُسے زندگی میں ہی ایک نئی زندگی مل جاتی ہے اور اِنَّا لِلّٰہِ کے پیغام کے سمجھنے کے نتیجہ میں ایک انسان عالم بقا میں داخل ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ کا پیغام آپ کو موت سے ڈراتا نہیں بلکہ موت کے خوف کو مار دیتا ہے۔ اگر آپ اس پیغام کو پوری طرح سمجھ لیں تو

آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ خدا کے ہیں خدا کے ساتھ رہ رہے ہیں اور خدا کے ساتھ رہیں گے اور اسی طرف واپس جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کے قرب کا جو دائمی احساس ہے اور اس کا ہو رہنے کا احساس ہے۔ یہ پیغام جو آپ کو ملتا ہے کہ تم اس کے ہو تو اس کے بن کر دکھاؤ یہ ایک ایسا زندگی بخش پیغام ہے جو انسان کو عالم بقا میں لے جاتا ہے۔ موت کی دہلیز اس کی پہلی اور دوسری زندگی میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ ایک قدم اُٹھانے والی بات ہے۔ ایک قدم یہاں سے اُٹھا دوسری طرف چلا گیا لیکن یہ لوگ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ پس اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کے پیغام میں بقاء کا پیغام ہے۔

میں نے اپنی بچیوں کو ان کی والدہ کی وفات پر جو باتیں سمجھائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ میں نے بہت غور کیا ہے۔ مجھے موت کا کوئی ڈر خوف نہیں ہے، خدا کے حضور پیشی کا ڈر ہے لیکن موت کا ڈر کوئی نہیں۔ میرے لئے تو بالکل معمولی حیثیت ہے جس طرح آج آئے کل آئے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر فکر ہوتی ہے تو صرف ان لوگوں کے غم کی جو پیچھے رہ جائیں گے۔ اس کے سوا مجھے موت کے تصور میں کوئی بھی اجنبیت دکھائی نہیں دیتی، کوئی بھی تکلیف دہ بات نہیں ہے جس کے نتیجہ میں پریشان ہوں اور یہ جو پیغام مجھے ملا ہے یہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کے نتیجہ میں ملا ہے۔ میں نے جب اس پر غور کیا تو مجھے سمجھ آئی کہ ہم جس کے ہیں کل جب اس کی طرف لوٹیں گے تو اس وقت اس کے نہیں ہوں گے بلکہ اس لئے لوٹیں گے کہ اس کے ہیں۔ ان دو چیزوں میں فرق ہے۔ اس کی طرف لوٹ کر اُس کے نہیں ہوں گے بلکہ ہیں اس لئے لوٹیں گے اور اگر اس کے ہیں اور اس کے باوجود اس کے نہ رہے ہوں تو پھر خوف کا مقام ہے۔ پھر بہت ہی دردناک اور تکلیف دہ صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک لوٹنے کا تعلق ہے اس انجام کو تو کوئی ٹال ہی نہیں سکتا جو چاہے کر لے۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی جائے گا، چھوٹے سے چھوٹا بھی آدمی جائے گا، بوڑھا، بچہ ہر ایک نے آخر وہاں ضرور جانا ہے۔ بڑے بڑے اطباء جن امراض کے ماہر ہوتے ہیں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی تقدیر ان کو دکھاتی ہے کہ اصل غلبہ میرا ہی ہے اور وہ انہی مرضوں سے مرتے ہیں جن مرضوں کی شفا میں وہ شہرت پا چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاکستان کے بڑے بڑے ہارٹ سپیشلسٹ تھے جو دل کی بیماری سے گئے۔ اُن کا علم ان کے کام نہیں آسکا۔ پس شفاء کا علم بھی اور دعا بھی یہ دونوں چیزیں موت کے سامنے عاجز آجاتی ہیں اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ نے جس قوت کے ساتھ اس مضمون کو ہمارے

سامنے رکھا ہے اس کا اس سے تعلق ہے تبھی موت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھا جاتا ہے۔ خدا کا ہونا ایک غالب حقیقت ہے اور ایک دائمی حقیقت ہے۔ اس کی ملکیت ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ باقی سب چیزیں عارضی ہیں اور موت کا ملکیت سے تعلق ہے کیونکہ جس کی اصل ملکیت ہے وہ بالآخر نمایاں ہو کر دکھائی دے گی اور بیچ کے سب دھوکے اُڑ جائیں گے جس میں انسان اپنے آپ کو خواہ عارضی طور پر خواہ مستقل طور پر مالک سمجھتا رہا۔ سب ملکیتیں فنا ہو جائیں گی۔ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ قرآن کریم نے مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ مَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ﴿۱۹﴾ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۲۰﴾

(الانفطار: ۱۸-۲۰)

کہ تمہیں کیا پتا کہ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کیا چیز ہے۔ جب ہم مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کہتے ہیں تو خدا فرماتا ہے کہ کبھی سوچا بھی ہے کہ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ہوتا کیا ہے۔ کیسے تمہیں سمجھائیں کہ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کیا ہے؟ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا۔ کوئی ذات نہ اپنے لئے، نہ کسی اور کے لئے کسی چیز کی مالک ہوگی، کوئی جان نہ کسی جان کی مالک ہوگی، نہ کسی اور جان کی امین ہوگی نہ اپنی مالک ہوگی۔ نہ اپنے لئے کوئی امانت اپنے پاس رکھتی ہوگی۔ سب کچھ خدا کی طرف لوٹ جائے گا۔ صرف ایک مالک رہے گا اور وہ خدا کی ذات ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں رہے گا۔ جب ملکیتیں ساری فنا ہو جانے والی ہیں تو اسی کا نام موت ہے یعنی غیر اللہ کی ملکیت کی ذات میں موت شامل ہے کیونکہ وہ ملکیت دائمی ہو نہیں سکتی اس لئے کسی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں مل سکتی۔

خدا کی طرف لوٹنے کا مطلب اس کی ملکیت کا ادراک کروانا ہے یہ بتانا ہے کہ حقیقی مالک وہی ہے اس لئے تم اس کی طرف لوٹو گے اور اگر آپ وہ ملکیت چوری کر چکے ہیں۔ مالک نہ ہوتے ہوئے اس کا غلط استعمال کر بیٹھے ہوں اور لوگوں کے مالک بن چکے ہوں اور ان پر ناجائز قبضے کئے ہوں۔ ان کی عزتیں ان کی جانیں ان کے اموال ان کی خوشیاں آپ کے ہاتھ میں محفوظ نہ ہوں اور آپ نے ان پر ناجائز تصرف کر لئے ہوں تو پھر جب مالک حقیقی کے سامنے پیش ہوں گے تو یقیناً

جواب دہ ہوں گے۔پس اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے اندر بڑے گہرے بڑے تفصیلی زندگی کے پیغام ہیں اور ہر موت مومن کو یہ زندگی بخش جام پلا کر جاتی ہے۔جب وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا ہے تو یہ اس کا آب بقا ہے جسے وہ پیتا ہے لیکن عجیب طرح لوگ پیتے ہیں کہ یہ آبِ بقاء ان کو ہضم نہیں ہوتا ان کو یہ پتا ہی نہیں کہ یہ کیا پی رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس مرنے والے کے لئے زہر کا پیالہ تھا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔مَیں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ تو گیا اور ختم ہو گیا۔پس اس کے آگے کچھ نہیں، میں باقی ہوں، بالکل الٹ بات ہے۔پیغام تو یہ تھا کہ تم باقی نہیں رہو گے اور عارضی طور پر کسی غلط فہمی میں بھی مبتلا نہ ہو جانا۔یہ جانے والا اس بات کو یقینی بنا کر جا رہا ہے کہ تم بھی نہیں رہو گے اور لازماً تم نے اپنے خدا کی طرف جانا ہے۔پس اتنی قطعی حقیقت کو بھلا دینا اور اپنی زندگی کو غفلت کی حالت میں بسر کرنا اور ظلم کی حالت میں بسر کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت اس نصیحت سے فائدہ اُٹھائے گی۔اپنے حال پر غور کریں۔ اپنے آپ کو تنقید کا نشانہ بنائیں تو آپ کو اپنی ذات میں سے ہی ہر ناکامی میں سے مرادیں مل جائیں گی اگر اس کے برعکس غیروں کو تنقید کا نشانہ بنانے کی عادت ڈالی اور دوسروں میں ظلم تلاش کئے اور اپنے ظلم سے غافل رہے تو پھر آپ کا ہر قدم موت کی طرف اُٹھ رہا ہے غیر اللہ کی طرف اٹھ رہا ہے، آپ خدا کے نہیں رہے اور خدا کے نہیں ہو رہے اس ظلم کی حالت میں جان نہ دیں۔خدا کرے کہ ہم میں سے ہر مرنے والا ایسی حالت میں جان دے رہا ہو کہ اس پر رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر:۲۹) کی آیت صادق آ رہی ہو۔وہ راضی حالت میں خدا کے حضور حاضر ہو رہا ہو اور خدا کی رضا پا کر خدا کے حضور حاضر ہو رہا ہو۔آمین